OPEN ACCESS
ISSN (P): 2789-3820
ISSN (O): 2789-3839

Al-Āfāq Islamic Research Journal
http://alaafaqjournal.com/index.php/alaafaq/index
Vol. 04, Issue: 01, June-2024, PP: 60-68

جدید مغربی ادارتی تشکیل اور شخص قانونی کا تصور: مذہبی استدلالات کا تجزیہ

Modern Western Institutionalization and the Concept of Legal Person: An analysis of Religious Argumentation

***Dr. Usman Ahmed**
Assistant Professor, Institute of Islamic Studies,
University of the Panjab, Lahore, Pakistan.
usman.is@pu.edu.pk

Abstract:
The practical manifestations of modernity are fundamentally significant in its institutionization. After its ideological formation, modern Western civilization organized institutions for expansion. In the economic institutions of Western modernity, the corporation/company is a fundamental institution, while in the political spheres, State is the most basic institution. The capitalist system also penetrates economically through corporations, and the state clears the way for it through legal coercion. To protect the institutions of modernity and to safeguard the capitalist system, the concept of the "legal person" was established. Contemporary religious elites not only granted this concept religious legitimacy but also claimed to trace its roots back to the era of the Rightly Guided Caliphs, providing arguments from classical juristic texts for its presence. This paper examines the juristic arguments that have been made to justify the modern concept of the legal person as an Islamic concept.

Keywords: *West, Modernity, Institutionalization, Legal Person, Religious Legitimacy*

مغربی ادارتی صف بندی(Institutionalization)کی دو بنیادی جہات ہیں۔ معاشی و سیاسی۔ اور ان دونوں جہات سے مغربی نظام جس اساسی تصور پر قایم ہوا اور جس کے ذریعے اس کا استحکام و فروغ ہے وہ شخص قانونی/ شخص معنوی/ شخص اعتباری کا تصور ہے۔ نظم معیشت میں شخص قانونی کا عام مظہر کمپنی یا کارپوریشن یا اسی طرح کے دیگر ادارے ہیں اور سیاسی نظم میں اس کا مظہر ریاست اور اس کے ادارے ہیں۔

قدیم روایتی طبقے کے اہل علم کو جدید دور کے معاشی و سیاسی مسایل کی تفہیم میں جن دو اساسی علمی و فکری رکاوٹوں کا سامنا ہے وہ درج ذیل ہیں

۱۔ ہمارے قدیم فقہاء کا عہد اسلامی غلبے کا عہد تھا اور ان کو جس نظم معیشت و سیاست کا سامنا ہوا اس میں پیچیدہ نظام(Complex Systems)موجود نہ تھے بلکہ جو چیز ظاہر ہوتی ہے تھی وہ بس وہی تھی اور کسی نظام کا کل پرزہ نہ ہوتی تھی۔ جدید نظام میں کوئی چیز سادہ اور صرف اپنے ظاہر پر دار و مدار نہیں کرتی بلکہ ایک انتہائی پیچیدہ نظام کے دھاگوں سے بنی ہوئی ایک تار ہوتی ہے۔ جس کی اپنی حیثیت ایک تار کی ہوتی لیکن وہ تار پورے نظام کے بغیر سمجھی نہیں جاسکتی۔ جب کہ ہمارا دینی فقہی ادب اور اس سے تیار ہونے والا ذہن ”حکم علی الظاہر“ اور ”نظیر اور جزئیہ“ کا عادی ہے اور اس کے لیے جدید نظام کسی طرح قابل فہم نہیں۔ کیونکہ اس کا ذہنی سانچہ (Mind Set) جس مواد سے تیار ہوا ہے وہ جزوی ہے۔

۲۔ مغربی معاشی و سیاسی غلبے کے نتیجے میں دینی طبقے پر جب دباؤ بڑھا اور انہوں نے محسوس کیا کہ اسلامی نظم معیشت و سیاست ان حالات میں غیر عملی سمجھے جانے لگے تو اس طبقہ نے دفاعی راستہ اختیار کرتے ہوئے مغربی نظم معیشت و سیاست میں اسلام کاری کا آغاز کیا۔ یعنی یہ فرض کرتے ہوئے کہ مغربی نظم معیشت و سیاست اپنے اصل و مظاہر میں درست ہیں۔ چند چیزیں بس غیر شرعی ہیں جن کو دور کر دیا جائے تو یہی پورا نظم و نسق اور ہیئت(SET UP)اسلامی ہے۔ مغرب کی ادارتی صف بندی میں کارفرما مغربی تصورات بھی اصلاً اسلامی ہیں۔ چنانچہ اسلام کاری کے

اس کام کا نام Shariah Compliance رکھا گیا۔ حالانکہ تہذیب اور علوم اپنی آئیڈیالوجی پر استوار ہوتے ہیں اور ان کے تمام مظاہر میں ہی کارفرما ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ سمجھا گیا کہ صدیوں کی تاریخ کے حامل مغربی فکر پر استوار ہونے ادارے محض چند ظاہری وطریقہ کار کی تبدیلیوں سے وہ اپنی تاریخ، آئیڈیالوجی اور عالمی نظام سے کٹ کر اسلامی تاریخ، آئیڈیالوجی اور اصولوں پر رواں دواں ہو جائیں گے۔ اسلامی نظمِ معیشت جس بنیادی تصور پر استوار ہے اس کا نام "انفاق" ہے۔ جب جدید مغربی معیشت کا اصل الاصول "ارتکاز وجمع(Accumulation)" ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی تطابق کی صورت نہیں۔ بیت المال اور وقف جیسے ادارے جن کی تشکیل "اصولِ انفاق" پر ہے وہ "بنک" اور "کارپوریشن" جیسے اداروں کے لیے جن کی اصل ہی "نفع اندوزی" اور "جمعِ مال" ہے، کی اساس قرار پائیں تو اس طرزِ استدلال سے ہر چیز کا جواز ممکن بنایا جاسکتا ہے۔

انہیں جدید تصورات میں ایک تصور شخص قانونی جسے شخص معنوی اور شخص اعتباری بھی کہا جاتا ہے، کا ہے۔

شخص قانونی یا شخص معنوی کی تعریف

شخص قانونی کو انگریزی زبان میں لیگل پرسن(Legal Person) یا شخص مصنوعی(Artificial or Ficticious Person) یا Juristic Personality کہا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں انسان کے لیے Natural Person یا Physical Person کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔

فطری انسان سے مراد

The Human being that has the capacity for rights and duties.

جب کہ شخص قانونی سے مراد

A legal entity, not a human being recognized as a person in Law to whom legal rights and duties may attach[1].

دوسرے لفظوں میں

A legal entity is a juridical construction that is given with the following five elements: the being or subject, its will, the subjective rights, the obligations and the juridical personality.[2]

مسلم اہلِ قانون کی تشکیل کردہ تعریفات میں سے ایک تعریف یہ ہے

الشخص الاعتباري هو مجموعة من الاشخاص او الاموال ترمى الى تحقيق غرض معين، و يمنح الشخصية القانونية بالقدر اللازم لتحقيق هذا الغرض [3]

مصطفی زرقا شخص اعتباری کی تعریف کرتے لکھتے ہیں

شخص يتكون من اجتماع عناصر اشخاص او اموال يقدره التشريع كيانا قانونيا منتزعا منها مستقلا عنها [4]

شخص قانونی کے جواز میں دیے گئے دلایل کا جائزہ

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ جزئی فقہی ذہن کے لیے کل نظام کو سمجھنا اور ایک کل کی حیثیت سے لے کر اس پر حکم لگانا ایک بہت مشکل مسئلہ ہے۔ لہذا اسی ذہن کے تحت وہ کسی بھی مغربی تصور کو قطع نظر کہ یہ تصور ایک کلی نظام کا حصہ ہے اور وہ نظام باطل معتقدات پر استوار ہے اور خالص غیر اسلامی تصورات کا حصہ ہے، اس کی نظیر فقہاء کی کتابوں میں تلاش کرتے ہیں۔ چنانچہ جدید دور کے مسایل کے حل کے لیے جزئی فقہی ذہن کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ جدید مسئلہ کی فقہی نظیر تلاش کرتا ہے۔ فقہی نظیر سے مراد اس مسئلہ جیسا کچھ تلاش کرنا ہے۔ یعنی اس کے مماثل کوئی چیز

مل جائے۔اسی اصول کے تحت شخص قانونی ومعنوی کو جن فقہی نظائر سے جواز فراہم کیا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔وقف ۲۔بیت المال ۳۔خلطت ۴۔ترکہ مستغرقہ فی الدین

ان سب کا جائزہ لینے سے پہلے ضروری ہے کہ اس کا جائزہ لیا جائے کہ کونسی چیز دوسرے کی نظیر کہلانے کی حق دار ہے۔

نظیر کی تعریف اور اس اخذ و اطلاق کے اصول

نظیر کا تصور بنیادی طور پر نصوص سے ماخوذ ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو خط لکھا۔اس میں قضا کا اصول بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''الْفَهْمَ الْفَهْمَ فِيمَا يُخْتَلَجُ فِي صَدْرِكَ مِمَّا لَمْ يَبْلُغْكَ فِي الْكِتَابِ أَوِ السُّنَّةِ , اعْرِفِ الْأَمْثَالَ وَالْأَشْبَاهَ ثُمَّ قِسِ الْأُمُورَ عِنْدَ ذَلِكَ فَاعْمَدْ إِلَى أَحَبِّهَا عِنْدَ اللَّهِ وَأَشْبَهِهَا '' [5]

اس معاملے کا فہم جو تیرے دل میں اختلاج و انتشار پیدا کرے اور اس کے بارے تیرے پاس کتاب و سنت سے بھی کچھ نہ پہنچا ہو۔تم اس کی امثال و مشابہ چیزوں پر غور کرو اور معاملات کو ان امثال و نظائر پر قیاس کرو۔اور ان میں سے اس کا انتخاب کرو جو اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہو اور سب سے زیادہ مشابہت کی حامل ہو۔

نور الدین بن مختار الخادمی نے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے

''هي الفروع الفقهية التي يكون فيها بينها ادنى شبه'' [6]

یہ تعریف قابلِ عمل نہیں کیونکہ ادنی شبہ تو تمام غیر متعلق چیزوں میں بھی پایا جاتا ہے۔انسان اور حشرات الارض میں بھی ادنی مشابہت پائی جاتی ہے۔انسان بھی حیوان ہے، توالد و تناسل اور غذا و نشو و نما کے عمل سے گزرتا ہے۔بعینہ سانپ بھی حیوان ہے اور، توالد و تناسل اور غذا و نشو و نما کے عمل سے گزرتا ہے۔تو کیا انسان کو سانپ پر قیاس کیا جاسکتا۔

قواعدِ فقہیہ کے تناظر میں نظیر کی تعریف ان الفاظ میں کی جاتی ہے

''كل فرع من فروع القاعدة يعتبر نظيرا اى شبيها للفرع الآخر لاشتراكه معه فى تلك الصفة الجامعة الواردة فى نص القاعدة''

کسی فقہی قاعدہ کے تحت آنے والے تمام فروع میں سے ہر فرع، دوسری فرع کی نظیر ہے کیونکہ ان میں وہ مشترک صفت پائی جاتی ہے جو ان کو ایک قاعدہ کے تحت جمع کرتی ہے۔

اگر عقلاً غور کیا جائے تو دو اشیاء کو ایک دوسرے پر قیاس کرکے اور ایک کو دوسرے کی نظیر بنا کچھ یکساں احکام لاگو کرنے کے لیے ان میں کچھ چیزیں لازما مشترک ہونا ضروری ہیں

۱۔حقیقت و ماہیت اور مقاصد کا ایک ہونا۔

اگر ایک چیز جس کو قیاس کیا جارہا ہے وہ امور مالیہ میں سے ہے اور دوسری امور تعبدیہ میں سے ہے تو یہ ایک دوسرے کی نظیر نہیں ہوں گی۔اسی طرح ایک معاملہ کی حقیقت اگر کاروبار کی ہے اور دوسرے کی حقیقت خیرات و صدقات کی ہے تو کاروبار کے لیے نظیر خیرات و صدقات کو بنانا درست نہ ہوگا۔لہذا مماثلت میں حقیقت و ماہیت اور مقاصد کو مد نظر رکھنا ضروری ہوگا۔

۲۔اکثر معاملات کا یکساں ہونا

ایک، دو اجزاء کی مماثلت سے کلی نتیجہ نکالنا درست نہ ہوگا۔اور کسی کل کو اس کے اجزا بنا کر اور کسی دوسرے کل کے جزسے مماثل کرکے کلیہ بنانا درست نہ ہوگا۔چند مماثلتیں ہو اور اکثر میں عدم مماثلت ہو یا عدم مماثلت اور مماثلت میں فیصلہ کن حیثیت کسی چیز کو حاصل نہ ہو تو وہ

نظیر بننے کی اہل نہیں۔

۳۔ جزئیات سے اصول شریعت نہیں بن سکتے۔

ایک جزئیہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ''مسجد نبوی میں نصاریٰ کو عبادت کی اجازت دی''۔ یہ جزئیہ شریعت کا اصول نہیں بن جائے گا کہ ''مساجد کو نصاریٰ اور مسلمانوں کی مشترک عبادت گاہیں بنانا درست ہے''۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک اعرابی کو مسجد میں پیشاب کرنے پر کچھ نہ کہا اور صحابہ کو بھی پیشاب کرتے ہوئے روکنے سے منع کیا'' اس سے اصول بنانا کہ ''مسجد میں پیشاب کرنے والوں کو نہ روکنا اصولِ شریعت ہے''۔

اس بحث کے بعد شخص معنوی/اعتباری کے حق پیش کیے جانے والے شرعی دلایل کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

وقف:

''شخص معنوی کی نظیر وقف ہے۔ کیونکہ وقف مالک ہوتا ہے۔ مسجد یا وقف کو جب چندہ دیا جاتا ہے تو وہ عطیات وقف نہیں ہوتے جب تک ان کو وقف نہ قرار دیا جائے بلکہ وقف کی ملکیت ہوتے ہیں۔ وقف داین بھی ہوتا ہے اور مدیون بھی۔ وقف کی زمین اگر کوئی کرایہ پر لیتا ہے تو وقف داین ہوتا۔ اسی طرح اگر کوئی وقف کا ملازم ہوتا ہے تو اس کی تنخواہ وقف کے ذمہ ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے وقف مدیون ہوا۔ مالک ہونا، داین ہونا، مدیون ہونا شخص کے اوصاف سے ہیں۔ معلوم ہوا کہ وقف میں شخص قانونی کی خصوصیات تسلیم کی گئی ہیں۔ گو فقہاء نے اصطلاح استعمال نہیں کی''[7]

تجزیہ:

استدلال ایک مشابہت کی بنیاد پر کیا گیا ہے اور وہ مشابہت یہ ہے کہ وقف مالک بنتا ہے اور داین و مدیون ہوتا ہے۔ یہ اوصاف چونکہ شخص قانونی میں پائے جاتے ہیں اس لیے یہ شخص قانونی کی نظیر ہے۔

ذیل میں وقف اور "شخص قانونی" کے مابین تفریق قائم کرنے والی اور عدم مشابہت کی اشیاء ذکر کی جاتی ہیں۔

اول:

وقف تمویل و نفع اندوزی کے لیے نہیں ہوتا بلکہ صدقات و خیرات کا ادارہ ہے اور مقصود تقرب الی اللہ ہوتا ہے۔ جب کہ شخص قانونی جس کے معاشی مظاہر کمپنی، پروپرائیٹر شپ وغیرہ ہوتے ہیں تمویلی ادارے ہیں۔ مجوزین کو شخصِ قانونی کے جواز کی ضرورت بھی جدید معاشی اداروں کی تاسیس کے جواز کے لیے پیش آئی۔ حنفیہ کے نزدیک وقف کی تعریف یہ ہے

''هُوَ حَبْسُهَا عَلَى مِلْكِ اللَّهِ تَعَالَى وَصَرْفُ مَنْفَعَتِهَا عَلَى مَنْ أَحَبَّ'' [8]

یہ اللہ کی ملکیت کے باعث مال کو روک لینا ہے اور اس کی منفعت کو اس پر خرچ کرنا جو پسندیدہ ترین ہے

شافعیہ کے نزدیک

''حبس مَال يُمكن الِانْتِفَاع بِهِ مَعَ بَقَاء عينه مَمْنُوع من التَّصَرُّف فِي عينه تصرف مَنَافِعه فِي الْبر تقربا إِلَى الله تَعَالَى'' [9]

ایسے مال کو روک رکھنا جس سے فائدے کا حصول ممکن ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اس مال کو اصلاً باقی رکھنا اور اصل مالِ وقف میں تصرف نہ کرنا اور اس مال کے منافع کو نیکی کے کاموں میں خرچ کرنا تاکہ اللہ کا تقرب حاصل ہو۔

اس پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وقف شرعاً داین و مدیون ہوتا ہے یا کہ انتظاماً؟ دوسرا کیا ہر وقف دائن و مدیون ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اگر نہیں رکھتا تو اس کا مطلب ہوا کہ بعض اوقاف میں بظاہر ایسی شکل پائی جاتی تو مطلقاً وقف کے اندر داین و مدیون ہونے کی صلاحیت کا اطلاق کیسے درست ہو گیا؟

شرعاً اور انتظاماً کا فرق یہ ہے کہ کوئی چیز جب شرعاً ہوتی تو اس کے خلاف کرنا درست نہیں ہوتا۔ لیکن جب انتظاما ہوتی تو اس کو حالات کے مطابق تبدیل کر لیا جاتا۔ جیسے چور کا ہاتھ کاٹنا شرعا ہے نہ انتظاماً۔ جب کہ مساجد کے اندر جوتا نہ لے جانا، یا لوگوں کو جوتے صفوں کے ساتھ رکھنے سے منع کرنا، یا نماز میں صفوں کے لیے لائنیں لگا دینا، یہ سب انتظاما ہیں۔ اوقاف کی چیزوں کو دوسری چیزوں سے علیحدہ کرنے کا یہی طریقہ انتظاماً ممکن ہے کہ اس کو وقف کی ملک سمجھا جائے۔ تاکہ بد دیانتی نہ ہو۔ جو للہ چیز ہے اس کو ذاتی ملکیت میں خلط ہونے سے بچایا جائے۔ اس کی مثال جدید بجٹ کے نظام کی ہے۔ جدید بجٹنگ سسٹم میں جب بجٹ بنتا تو ہر مد کی رقم Competent Authority منظور کرتی۔ چنانچہ لائبریری کا بجٹ، اسی کے کاموں کے لیے مختص ہوتا۔ اس کو دوسرے کام میں استعمال میں لانا درست نہیں ہوتا۔ اسی طرح سٹیشنری کا بجٹ ہیڈ ہوتا۔ اس میں موجود رقم کو سٹیشنری کی رقم کہا جاتا جو کہ اسے کام استعمال لانا ضروری ہوتا۔ اور ان اداروں میں ایک بجٹ ہیڈ سے رقم ادھار لی جاتی ہے۔ اور اس کو قرض سمجھا جاتا اور واپس کرنا ضروری ہوتا۔ اور اگر ایک بجٹ ہیڈ سے دوسرے میں منتقل کرنا تو اس کے لیے باقاعدہ اتھارٹی سے منظوری لی جاتی ہے جسے Re-Appropriation کہتے ہیں۔ لیکن یہ سب انتظامی معاملات ہیں نہ کہ ''سٹیشنری بجٹ ہیڈ'' داین و مدیون بننے کی صلاحیت کے باعث شخص معنوی بن جاتا۔

چند اوقاف کی چیزوں کو مد نظر رکھ کے کہ مطلقا یہ کہنا یہ داین و مدیون ہوتا ہے، درست نہیں۔ حضرت عثمانؓ نے بیئر رومہ کو مسلمانوں کے لیے وقف کیا۔ بیر رومہ کیسے داین و مدیون ہو سکتا تھا یا اس کی تملیک میں کیا تھا؟ اسی طرح اگر کوئی لائبریری کے لیے کتابیں وقف کرتا تو وہ کیسے داین و مدیون ہو سکتی ہیں؟ اسی طرح کسی درخت کو وقف کرنا تو اس پر کیسے یہ تملیک و دین کے معاملات جاری ہو سکتے۔ تو وقف کے چند فروع ایسے ہوں تو مطلقا یہ شخص معنوی کا جواز کیسے بن گئے۔

فرق دوم: اوقاف تو خود وہ چیز ہے جس سے استفادہ کیا جا رہا ہوتا ہے چنانچہ مسجد، مدرسہ خود استفادہ کی چیزیں ہوتے۔ جب کہ کمپنی یا شخص معنوی خود وہ چیز نہیں ہوتا جس سے استفادہ کیا جا رہا ہو۔

فرق سوم: وقف میں وراثت جاری نہیں ہوتی شخص معنوی میں جاری ہوتی ہے۔ مثلاً کمپنی کے مالکان ہوتے ہیں جن کے قانونی وارثین کو کمپنیاں تقسیم ہوتی ہیں۔

فرق چہارم: وقف قابلِ فروخت نہیں ہوتا شخص معنوی قابلِ فروخت ہوتا ہے۔ اکثر کے نزدیک وقف سے رجوع نہیں کیا جا سکتا، جب کہ شخص معنوی کو بیچا بھی جا سکتا، اور اس کو تحلیل (Dissolve) بھی کیا جا سکتا۔

فرق پنجم: قدیم فقہاء کی کتابوں میں بالتصریح موجود ہے کہ انسان بحیثیت اصل، ذمہ دار ہے نہ کوئی اور چیز۔ امام سرخسی نے اپنی اصول کی کتاب میں باب باندھا ہے

'' بَاب أَهْلِيَّة الْآدَمِيّ لوُجُوب الْحُقُوق لَهُ وَعَلَيهِ وَفِي الْأَمَانَة الَّتِي حملهَا الْإِنْسَان '' [10]

حقوق و فرائض کی ادائیگی کے وجوب میں اہلیتِ آدمی اور اس امانت کا بیان جس کو انسان نے اٹھایا

مزید لکھتے ہیں

'' وَلِهَذَا اخْتصَّ بِهِ الْآدَمِيّ دون سَائِر الْحَيَوَانَات الَّتِي لَيست لَهَا ذمَّة صَالِحَة '' [11]

اس لیے آدمی کو اس کے لیے تمام حیوانات کو ترک کر کے خاص کیا گیا۔ حیوانات کے لیے کوئی ذمہ صالحہ نہیں ہے

المستصفیٰ میں امام غزالی لکھتے ہیں:

" أَهْلِيَّةُ ثُبُوتِ الْأَحْكَامِ فِي الذِّمَّةِ فَمُسْتَفَادٌ مِنْ الْإِنْسَانِيَّةِ " [12]

انسان کے علاوہ ذمہ داری غیر انسانوں کو منتقل کرنا جمہور اسلاف کی تصریحات کے خلاف ہے۔

ساخت اور مقصدیت کا فرق

ساخت اور مقصدیت سے صرفِ نظر کر کے وقف کو شخص قانونی کا جواز بنانا صرف اس لیے کہ وقف میں ملکیت پائی جاتی ایسے ہی ہے جیسے صحابہ کے دور میں گھوڑ دوڑ، نیزہ بازی اور دوڑ کو جدید اولمپک گیمز اور عالمی کھیلوں کے مقابلوں کی دلیل بنالے۔اسی طرح عہد رسالت میں صحابہ کی باہمی مزاحیہ حرکات و سکنات سے Comedy Theater Industry کو درست ثابت کرے۔ساخت (Structure) اور مقصد کا باہمی تعلق ہوتا ہے۔خاص ساخت ہی خاص مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہوتی ہے۔ہر ڈھانچے کی اپنی روحانیت اور دانش (Wisdom) ہوتی ہے۔ کمپنی کی ساخت کو صرف نظر کر کے محض جزوی مشابہت کی بنا پر ان دونوں کو مماثل قرار نہیں دیا جاسکتا۔

۶۔آخر اس کی ضرورت کیا پیش آئی کہ اسلام کے مالیاتی نظائر کو چھوڑ کر تعبدی نظائر سے جزئیہ لے کے مغرب کے شخص قانونی کے تصور کو جائز قرار دیا جائے؟

بیت المال

"بیت المال کے مال سے پوری قوم کا حق تو متعلق ہے مگر ہر شخص اس مال میں ملک کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔اس مال کا مالک بیت المال ہی ہوتا ہے معلوم ہوا کہ بیت المال بھی ایک شخص قانونی ہے۔بلکہ فقہاء کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المال کی ہر آمدن ایک مستقل شخص قانونی ہے۔بیت الصدقہ اور بیت الخراج۔امام زیلعی نے مسئلہ لکھا ہے کہ ایک حصے میں مال نہ ہو تو دوسرے حصے سے قرض لیا جاسکتا ہے۔اس صورت میں ایک حصہ داین اور دوسرا مدیون ہوگا" [13]

تجزیہ

۱۔بیت المال کا مالکِ مال ہونا خود اختراع کیا گیا ہے۔اس پر کوئی نص شرعی موجود نہیں۔البتہ یہ ثابت ہے کہ جمیع المسلمین اس کے مشترک مالک ہوتے ہیں۔احادیث میں اس کے کثیر دلایل ہیں ہے

مصنف ابن ابی شیبہ نے روایات نقل کی ہیں جن میں الفاظ ہیں: " مِنْ بَيْتِ مَالِ الْمُسْلِمِينَ " [14]

مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے حضرت علیؓ سے ان کی ام ولد، ام عفان نے ایک بار لونگ کے پھول جو بیت المال میں آئے مانگے تاکہ اپنی بیٹی کے لیے ہار پرولیں۔حضرت علی نے جوابا کہا" فَإِنَّمَا هَذَا مَالُ الْمُسْلِمِينَ " [15]

اور امام وقت کی صوابدید پر ہوتا کہ وہ اس کو خرچ کرے۔اس کی مختلف مدات کی تقسیم ان اموال کے شرعی حقوق کے باعث ہے۔زکوۃ کی علیحدہ مد رکھنا یا خراج کی علیحدہ مد رکھنا ان اموال مختلف شرعی احکام کے باعث ہے۔نہ فقہاء نے ان کو اہلیت اداء و اہلیت وجوب کا مورد سمجھا۔

۲۔بیت المال غیر کاروباری و غیر تمویلی ادارہ ہے جب کہ شخص قانونی کے معاشی مظاہر سب کے سب تمویلی ادارے ہیں۔

ترکۃ مستغرق بالدین

کسی میت کا سارا ترکہ دیون سے مستغرق ہو تو اس صورت میں دائنین کا مدیون نہ میت ہے، اس لیے کہ مرنے کے بعد کوئی شخص مدیون نہیں ہوتا، اور نہ ورثہ مدیون ہیں، اس لیے کہ انہیں میراث ملی ہی نہیں۔لہذا مدیون ترکہ ہوگا۔جو شخص قانونی ہے۔

تجزیہ

ا۔اس میں مال کو ہی شخص قانونی بنادیا گیا۔ حالانکہ مال تو جدید قانون کے مطابق بھی شخص قانونی نہیں۔ کوئی ادارہ ہی ہوتا ہے۔

۲۔ اگر میت مدیون نہیں ہوتی تو ایسے اشخاص جنازہ کیوں رسول اللہ ﷺ نے پڑھایا کہ جو مقروض تھے۔[16] رسول اللہ ﷺ فرمادیتے کہ مر گیا ہے اب یہ مدیون نہیں بلکہ اس کا ترکہ مدیون ہے۔

۳۔ مقروض کے مال سے اس کا قرض ادا کرنے کا حکم ہے۔ اس لیے قرض ادا کیا جائے گا۔ یہ شخص جس نے معاملہ کیا قانونی زبان میں ''فطری / طبعی انسان'' ہے نہ کہ ''شخص قانونی''۔ اپنا قرض اس نے مقروض کے مال سے لے لیا تو اس کا ترکہ اس کا ''راس المال'' تھا۔ اس میں کوئی جہت ہی نہیں کہ شخص قانونی کو داخل کیا جاسکے۔

خلطۃ الشیوع

''یہ نظیر حنفیہ کے مذہب کے مطابق نہیں۔ بلکہ ائمہ ثلاثہ کے مذہب کے مطابق ہے۔ ان کے ہاں مال زکاۃ کئی شخصوں میں مشاع طور پر مشترک ہو تو زکاۃ انفرادی طور پر نہیں ہوتی مجموعے پر ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مجموعہ شخص قانونی ہے''[17]

تجزیہ

ا۔ یہاں فطری انسانوں کی ملکیت مشترکہ ہے۔ محض مشترکہ ملکیت تو جدید قانون کے مطابق بھی شخص قانونی نہیں۔ یہاں فقہاء نے اس سوال کا جواب دیا کہ زکاۃ کی ادائیگی کیسے ہوگی۔ اکٹھے مال پر ہوگی یا علیحدہ علیحدہ پر۔ بس مال ہے جس کی زکاۃ کی ادائیگی کا مسئلہ ہے؟

۲۔ اگر ''مجموعہ'' شخص قانونی ہے تو گویا شخص قانونی اب زکاۃ بھی ادا کرے گا۔ ایک عبادت بھی شخص قانونی پر فرض ہوگئی؟

مولانا تقی عثمانی کا جواب اور اس کا تجزیہ

''اگر اس بات کو اطلاق و عموم کے ساتھ تسلیم کر لیا جائے جس کے ساتھ وہ کہی گئی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی بھی کمپنی سے خریدنے کے جتنے معاملات ہوتے ہیں وہ سب ناجائز اور فاسد اور بے بنیاد ہیں۔ کیونکہ عقد کا ایک فریق شخص قانونی ہے۔ اگر کہا جائے عقد کا فریق کمپنی نہیں بلکہ وہ اس کا نمائندہ ہے جس نے مصنوعات بیچیں تو سوال یہ ہے کہ اگر بیع میں کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے۔ مثلاً کمپنی کی ان مصنوعات میں کوئی صنعتی نقص ہو، خیار عیب کے تحت اسے واپس کرنا پڑے تو مقدمہ اس نمائندہ پر ہوگا یا کمپنی پر بحیثیت شخص قانونی؟ اگر نمائندہ پر ہوگا اور وہ کمپنی چھوڑ چکا ہو تو کیا اس کے گھر جا کر اس سے مطالبہ کیا جائے گا؟ اگر وہ مر چکا ہو تو کیا مطالبہ اس کے ورثاء پر آئے گا اگر نہیں تو اس کا مطلب ہے فریق عقد وہ نمائندہ نہیں بلکہ شخص قانونی ہے۔ اور مذکورہ بالا اصول کے مطابق وہ عقد ہی صحیح نہیں تو خریدنے والے کو اس کی ملکیت ہی حاصل نہیں ہوئی لہذا وہ آگے کسی کو بیچے گا تو بیع بناء الفاسد علی الفاسد ہونے کی بنا پر ناجائز اور بے بنیاد ہوگی لہذا اس فتویٰ کا حاصل یہ نکلا آج جتنی کمپنیوں کی مصنوعات بازار میں بک رہی ہیں ان میں سے کسی کا خرید ناجائز نہیں''[18]

تجزیہ

ا۔ جب بازار میں اور عام طور پر کمپنیز کے سودوں میں دو افراد ہی خرید و فرخت کرتے ہیں تو بات درست ہی نہیں کہ بیع اشخاص قانونی کے مابین بالفعل ہو رہی ہوتی۔ یہ عمل صرف Doccuments میں ہو رہا ہوتا کہ فلاں کمپنی نے فلاں کو بیچا۔ عملاً عاقدین انسان ہی ہوتے اور قبضہ بھی انسان ہی کرتے۔ شخص قانونی کہیں ٹرک لوڈ کر کے نہیں جاتا۔ اور نہ ہی شخص قانونی دستخط کر رہا ہوتا۔

۲۔ بیچنے والا شخص جو کمپنی کا نمائندہ کہلاتا اس کی بیع کا حصہ یہ شرط بھی ہوتی کہ میں اگر نہ ہوا تو میری جگہ دوسرا نمائندہ تمام معاہدے کو پورا کرے گا۔ لہذا نمائندے کے پیچھے بھاگنے کی ضرورت نہیں۔

۳۔ کسی نزاع کی صورت میں عصری قانونی جبر کے باعث کمپنی پر ہی کیس کرناپڑتا یا کمپنی سے معاملہ طے کرناپڑتا تو کیا یہ اس کے حلال ہونے کی دلیل ہے؟ اس طرح بنکوں سے قرض سود پر لینا قانونی جبر ہے تو کیا حلال ہو جائے گا۔

مجوزین سے سوالات

۱۔ شخص قانونی کو شرعی جواز دینے کی دینی و شرعی ضرورت کیا ہے؟

۲۔ اگر شخص قانونی شرعی حیثیت رکھتا ہے تو اگر کسی کی تنخواہ کمپنی نے ادا نہیں کی تو قیامت کے دن کمپنی کو جہنم میں ڈالا جائے یا افراد کو۔ آپ کے بقول کیس کمپنی پر ہوتا نمائندے پر نہیں۔

۳۔ بنک اشخاص قانونی ہیں۔ تو کیا اشخاص قانونی کے قرض پر مال کم یا زیادہ لینے پر سود کا اطلاق ہو گا اس کی دلیلِ شرعی و نظیر فقہی فراہم کریں۔ نیز اگر کوئی بنک سود ادا کرتا یا وصول کرتا ہے تو قیامت کے دن متعلقہ بنک سودی لین دین کے باعث جہنم میں جائے گا؟ اگر نہیں تو جب "شخص قانونی" شرعی تصور ہے تو اس کی ذمہ داری کو آخرت کی بہ جائے دنیا تک محدود کرنے کی کیا شرعی دلیل ہے؟

۴۔ اگر ایک کمپنی دوسری کمپنی کا مال نہیں دیتی تو شرعا کون اخروی مجرم ہے؟

خلاصہ یہ ہے کہ شخص قانونی کے جواز میں وضع کیے گئے استدلالات انتہائی کمزور ہیں بل کہ دلیل کہلانے کے ہی مستحق نہیں۔ نیز اس میں صدیوں سے فقہاء کے مسلمہ اور مجمع علیہ اصول کہ "ذمہ داری انسان پر ہوتی ہے"، کو بھی توڑا گیا ہے۔ دوسروں کو تجدد، سلف صالحین سے انحراف، متفقہ اصولوں کو توڑنے والے، رائے مذموم کا استعمال کرنے والے، مغرب سے مرعوب وغیرہ کا طعنہ دینے والے روایت پسند جب چاہیں کوئی بھی رائے اختیار کریں وہ دینی اور شرعی ہی رہتی ہے۔ شخص قانونی کے جواز سے "کمپنی" کا شرعی جواز ثابت کیا گیا لیکن جب "لمیٹڈ کمپنی" کے جواز کی ضرورت پڑی تو اس کو "قن" غلاموں پر قیاس کر لیا گیا جو نیچرل پرسن ہیں۔ جب کمپنی شخص قانونی ہے تو محدود ذمہ داری کے لیے "نیچرل پرسن" کیسے اس کی نظیر بن گئی؟ یعنی جب چاہا، کوئی بھی نظیر بنا دی۔ قدیم فقہاء جب کوئی رائے اختیار کرتے تھے تو ان کے شواذ بھی غیر اہم نہیں ہوتے کیوں کہ وہ کسی بھی فتوے کے بالواسطہ یا بلا واسطہ مستفید (Beneficiary) نہیں ہوتے تھے۔ کاروبار، مالی منفعت اور ذاتی و خاندانی احوال ان کے فتاویٰ پر اثر انداز نہیں ہوتے تھے۔

CC BY

@ 2024 by the author, this article is an open access article distributed Under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC-BY) (http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/)

حوالہ جات

---

[1]Bryant Smith, *Legal personality*, YALE LAW JOURNAL, Vol.XXXVII, No.3, Januray 1928,PP283

[2]Elvia Arcelia Quintana Adriano, *The Natural Person, Legal Entity or Juridical Person and Juudicial Personality*, The *Penn State Journal of Law & International Affairs*, Voloume 4, Issue 1, December 2015, PP 389

[3]شمس الدین الوکیل، مبادئ القانون، ص ۳۳۹ بحوالہ خالد بن عبدالعزیز بن ابراھیم الجرید، الشخصیۃ الاعتباریہ، المحکمۃ العامۃ بمحافظۃ ینبع، مجلہ "العدل"، شمارہ نمبر ۲۹،

Shamsuddīn Al-Wakīl, Mabādi' al-Qānūn, p. 339 ba-ḥawālah Khālid bin ‘Abdul ‘Aziz bin Ibrāhīm Al-Juraid, Al-Shakhṣiyyah Al-I'tibāriyyah, Al-Mahkamah Al-‘Aāmah bi-Muhāfazat Yanbū, Majallah "Al-‘Adl", Shumārah No. 29, Muharram 1427 AH, p. 67

[4]مصطفیٰ زرقا، الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید، مطبعہ جامعہ دمشق، ۱۹۶۱ء، ص ۲۷۲، ایضا

Musṭ afā Zarqā, Al-Fiqh al-Islamī fī Thawbihi Al-Jadīd, Maṭ ba' Jāmi'at Dimashq,1961,P. 272,

[5]الدار قطنی، علی بن عمر، البغدادی (المتوفی: ۳۸۵ھ)، سنن الدار قطنی، تحقیق و تعلیق: شعیب الارنؤوط، حسن عبدالمنعم شلبی، عبداللطیف حرز اللہ، احمد برھوم، موسسۃ الرسالہ، بیروت،

طبع اول، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۴ء، ج۵، ص۳۶۷، كِتَاب: فِي الْأَقْضِيَةِ وَالْأَحْكَامِ وَغَيْرِ ذَلِكَ، باب: كِتَابُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِلَى أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، رقم الحدیث: ۴۴۷۱
Al-Dārqutnī, 'Alī bin 'Umar, Al-Baghdādī (Died: 385H), Sunan Al-Dārqutnī, Edited: Shu'ayb Al-Arna'ūṭ, Ḥasan 'Abdul Mun'im Shilbī, 'Abdul Laṭīf Ḥirazallāh, Aḥmad Barhūm, Mu'assasah Al-Risālah, Beirut, 1st Edition, 1424H/2004AD, vol, 5, p. 367, Kitāb: Fī Al-Aqdiyah wa Al-Aḥkām wa Ghayr Dhālik, Bāb: Kitāb 'Umar Radī Allāh 'Anhu Ilā Abī Mūsā Al-Ash'arī, Hadith No: 4471

[6] نورالدین مختار الخادمی، علم القواعد الشرعیہ، مکتبۃ الرشف، الریاض، طبع اول، ۱۴۲۶ھ۔۲۰۰۵ء، ص ۳۰۴
Nūruddin Mukhtār Al-Khādimī, 'Ilm Al-Qawā'id Al-Shar'iyyah, Maktabah Al-Rashaf, Al-Riyādh, 1st Edition, 1426H / 2005AD, P. 304

[7] محمد تقی عثمانی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۱۴۳۷ھ/۲۰۱۶ء، ص۹۶، ۹۷
Muḥammad Taqī Uthmānī, Islām aur Jadīd Ma'īshat wa Tijārat, Maktabah Mā'arif Al-Qur'ān, Karachi, 1437H/2016AD, pp. 96, 97

[8] ابن عابدین، محمد امین بن عمر، الدمشقی الحنفی (المتوفی: ۱۲۵۲ھ)، ردالمحتار علی الدر المختار، دار الفکر، بیروت، طبع دوم، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء، ج۴، ص۳۳۹
Ibn 'Ābidīn, Muḥammad Amīn bin 'Umar, Al-Dimashqī Al-Ḥanafī (Died: 1252H), Radd Al-Muḥtār 'ala Al-Durr Al-Mukhtār, Dār Al-Fikr, Beirut, 2nd Edition, 1412H/1992AD, vol. 4, P. 339

[9] ابو بکر بن محمد، الحسینی الحصنی، تقی الدین الشافعی (المتوفی: ۸۲۹ھ)، کفایۃ الاخیار فی حل غایۃ الاختصار، تحقیق: علی عبدالحمید بلطجی و محمد وھبی سلیمان، دار الخیر، دمشق، طبع اول، ۱۹۹۴ء، ص ۳۰۴
Abū Bakr bin Muḥammad, Al-Ḥusaynī Al-Ḥaṣanī, Taqī al-Dīn Al-Shāfi'ī (Died: 829H), Kifāyat Al-Akhyār fī ḥall Ghāyat Al-Ikhtiṣār, Edited: 'Alī 'Abdul Ḥamīd Balṭajī, Muḥammad Wahbī Suleimān, Dār Al-Khair, Dimashq, 1st Edition, 1994AD, p. 304

[10] السرخسی، محمد بن احمد، شمس الائمہ، اصول السرخسی، دار المعرفۃ، بیروت، س۔ن۔ ج۲، ص ۳۳۲
Al-Sarakhsī, Muḥammad bin Aḥmad, Shams al-A'immah, Uṣūl al-Sarakhsī, Dār al-Ma'rifah, Beirut, ND.,Vol.2, P.332

[11] ایضاً، ج۲، ص ۳۳۳
Ibid, Vol. 2, P. 333

[12] الغزالی، محمد بن محمد، ابو حامد، الطوسی (المتوفی: ۵۰۵ھ)، المستصفی، تحقیق: محمد عبدالسلام عبدالشافی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء، ص ۶۷
Al-Ghazālī, Muḥammad bin Muḥammad, Abū Ḥāmid, al-Ṭūsī (Died: 505H), al-Mustaṣfā, Edited: Muḥammad ʿAbd al-Salām ʿAbd al-Shāfī, Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, Beirut, 1st Edition, 1413H / 1993AD, P. 67

[13] اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص۹۷
Islām aur Jadīd Ma'īshat wa Tijārat, P. 97

[14] ابن ابی شیبۃ، عبد اللہ بن محمد، ابو بکر، العبسی (المتوفی: ۲۳۵ھ)، الکتاب المصنف فی الاحادیث والآثار، تحقیق: کمال یوسف الحوت، مکتبۃ الرشد، الریاض، طبع اول، ۱۴۰۹ھ، ج۴، ص۴۳۰، رقم حدیث: ۲۱۸۰۵
Ibn Abī Shaybah, ʿAbd Allāh bin Muḥammad, Abū Bakr, al-ʿAbasī (Died: 235H), Al-Kitāb al-Muṣannaf fī al-Aḥādīth wa-al-Āthār, Edited: Kamāl Yūsuf al-Ḥūt, Maktabah al-Rushd, Riyadh, 1st Edition, 1409AH,Vol. 4, P.430, Hadith No. 21805

[15] مصنف ابن ابی شیبہ، ج۶، ص۴۵۸، رقم الحدیث: ۳۲۹۰۱، کِتَابُ الْسِیرِ، مَا قَالُوا فِي عَدْلِ الْوَالِي وَقَسْمِهِ قَلِيلًا كَانَ أَوْ كَثِيرًا
Muṣannaf ibn Abī Shaybah, Vol, 6, P. 458, Hadith No. 32901, Kitāb al-Siyar, Mā Qālū fī ʿAdl al-Wālī wa-Qasmihi Qalīlan Kāna aw Kathīran

[16] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، تحقیق: محمد زہیر بن ناصر الناصر، دار طوق النجاۃ، بیروت، طبع اول، ۱۴۲۲ھ، ج۳، ص۹۴، رقم الحدیث: ۲۲۸۹، كِتَاب الحَوَالاَتِ، بَابُ إِنْ أَحَالَ دَيْنَ المَيِّتِ عَلَى رَجُلٍ جَازَ
Al-Bukhārī, Muḥammad bin Ismāʿīl, Ṣaḥīḥ al-Bukhārī, Edited: Muḥammad Zuhayr bin Nāṣir al-Nāṣir, Dār Ṭawq al-Najāt, Beirut, 1st Edition, 1422AH, Vol 3, P. 94, Hadith no. 2289, Kitāb al-Ḥawālāt, Bāb In ʾAḥāla Dayn al-Mayyit ʿAlā Rajul Jāz

[17] اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص۹۷
Islām aur Jadīd Ma'īshat wa Tijārat, P. 97

[18] محمد تقی عثمانی، غیر سودی بینکاری، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، س۔ن۔ ص ۳۳۷
Muḥammad Taqī ʿUthmānī, Ghayr Sūdī Bankarī, Maktabah Maʿārif al-Qurʾān, Karāchī, ND., P.337